

شاه پسر



نیلم ہمیرا

بچوں کے لیے دلچسپ کہانی

اشتیاق احمد

فیروز سنز

لاہور۔ راولپنڈی۔ کراچی

پہلی بار ۱۹۷۵ء

تعداد ۳۰۰۰

قیمت ۱.۰۰

مطبوعہ فیروز سنز لمیٹڈ۔ باہتمام عبدالحمید خاں پرنٹروپبلشر

راج نگر پہاڑوں کے درمیان میں گھری ہوئی ایک چھوٹی سی ریاست تھی۔ اس کے بادشاہ کا نام جلال خاں تھا۔ یوں تو اس کے پاس اللہ کا دیا کچھ تھا لیکن جس چیز کی وجہ سے وہ دور دور تک مشہور تھا، وہ تھی نیلم ہیرا۔ یہ ایک بہت بڑا ہیرا تھا اور اس سے بڑا ہیرا آس پاس کی ریاستوں کے کسی بادشاہ کے پاس نہیں تھا۔ یہ ہیرا نیلے رنگ کا تھا اور اس میں سے نیلی شعاعیں نکلتی تھیں۔ بادشاہ اسے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا اور فخر کیا کرتا کہ اس کے پاس سب سے بڑا اور سب سے قیمتی ہیرا ہے۔ کئی بادشاہوں کی نیت ہیرے نے خراب کر رکھی تھی۔ ہر کوئی اس کو جلال خان سے حاصل کرنا چاہتا تھا۔ دو تین بادشاہوں نے تو جلال خاں سے ہیرا خریدنے کی خواہش بھی ظاہر کی تھی مگر جلال خاں کسی قیمت پر ہیرا بیچنے پر آمادہ نہ تھا۔ تنگ آ کر ایک مرتبہ کسی بادشاہ نے راج نگر پر چڑھائی کر دی۔ دونوں فوجوں میں زبردست لڑائی ہوئی۔ لیکن کچھ تو جلال خاں کی فوج ہی بہت بہادر تھی اور کچھ پہاڑوں کی مدد سے حاصل

تھی، اس لیے جلد ہی اس کی فوج نے دوسرے بادشاہ کی فوج کو مار بھگایا۔ اسی طرح دو تین اور بادشاہوں نے بھی چڑھائی کی گھر ہر مرتبہ مار کھائی۔ ایک دن جلال خاں اپنے اکلوتے بیٹے مراد خاں کے ساتھ بیٹھا کھیل رہا تھا۔ مراد خاں کی عمر اس وقت گیارہ بارہ سال کے قریب تھی۔ بادشاہ اسے تلوار چلانا سکھا رہا تھا۔ مراد خاں کے ہاتھ میں ننھی مٹی تلوار تھی جس سے وہ اپنے باپ کے وار روک رہا تھا۔ ملکہ اپنے بیٹے کو تلوار چلاتے دیکھے کر خوش ہو رہی تھی۔

تلوار چلاتے چلاتے بادشاہ نے مراد سے کہا :

”بیٹا، تم تلوار چلانا کیوں سیکھ رہے ہو؟“

”میں اپنے دشمنوں سے لڑا کروں گا۔“ شہزادے نے جواب دیا۔ ”شاباش بیٹے! مجھے تم سے یہی اُمید ہے۔ جب تم بڑے ہو جاؤ گے تو میں اپنا تاج تمہارے سر پر رکھ دوں گا۔ پھر تم اس ریاست کے بادشاہ بن جاؤ گے۔“ بادشاہ نے کہا۔

”اور اباجان، کیا آپ نیلم ہیرا بھی مجھے دے دیں گے؟“

”ہاں بیٹا۔ میرا سب کچھ تمہارا ہے۔ میں نیلم ہیرا بھی تمہیں دے دوں گا۔“ بادشاہ نے

جواب دیا۔

”لیکن ابا جان، آپ تو وہ ہیرا کسی کو بھی نہیں دیتے۔“ مُراد خان نے کہا۔

”تم تو ہمارے بیٹے ہو۔ تمہیں نہیں دیں گے تو کیا قبر میں ساتھ لے جائیں گے۔“ بادشاہ نے کہا اور ساتھ ہی تلوار مُراد خان کی تلوار پر ماری۔ مُراد خان کی تلوار اُس کے ہاتھ سے گر گئی۔ دروازے پر کھڑا پھرے دار تلوار اٹھانے کے لیے آگے بڑھا۔

اُسی وقت ایک پھرے دار کمرے میں داخل ہوا۔ وہ ادب سے جھٹکا اور پھر سیدھا ہوتے ہوئے بولا:

”عالم پناہ، سپہ سالار حاضر ہونے کی اجازت چاہتے ہیں۔“

”اجازت ہے۔“ بادشاہ نے کہا۔ پھرے دار کمرے سے نکل گیا۔ چند لمحوں بعد سپہ سالار اندر داخل ہوا۔ یہ ایک لمبا چوڑا نوجوان تھا۔

”کیا بات ہے اعظم خاں؟“ بادشاہ نے پوچھا۔

”عالم پناہ، جان کی امان پاؤں تو کچھ عرض کروں؟“

”کو، کیا بات ہے؟ تم کچھ پریشان دکھائی دیتے ہو۔“

”جہاں پناہ، ریاست فیروز کے بادشاہ نے ہماری ریاست پر چڑھائی کر دی ہے۔“

”یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ اُس نے چڑھائی کیوں کی ہے؟“

”حضور اجازت دیں تو اُس سے معلوم کیا جائے۔“ سپہ سالار نے کہا۔

”ہاں، اُس سے معلوم کرو کہ اُس نے چڑھائی کیوں کی؟ کیا وہ نہیں جانتا کہ اس سے پہلے بھی

بہت سے بادشاہوں نے راج نگر پر حملہ کیا اور سب نے مُنہ کی کھائی۔“

”بہت بہتر عالم پناہ۔ میں اسی وقت اپنے ایلچی بھیجتا ہوں“ یہ کہہ کہ سپہ سالار کمرے سے نکل

گیا۔

ایک گھنٹے کے بعد وہ واپس آیا تو بادشاہ نے پوچھا۔ ”کو، اعظم خاں، ریاست فیروز کا بادشاہ

کیا۔ کہتا ہے؟“

”عالم پناہ، وہ کہتا ہے کہ اگر آپ اسے نیلم ہیرا دیں تو وہ واپس چلا جائے گا۔“ سپہ سالار نے بتایا۔

”اس کی یہ جرات کہ وہ ہمارا ہیرا حاصل کرنے کے خواب دیکھے۔ وہ ہماری لاش پر سے گزر کر ہی ہیرا حاصل کر سکتا ہے۔“ بادشاہ غصے سے لال پیلا ہو گیا۔

”آپ سلامت رہیں عالم پناہ۔ ہم ایسا وقت ہی نہیں آنے دیں گے اور خدا نے چاہا تو اسے دیکھتے ہی دیکھتے مار بھگائیں گے۔“ سپہ سالار نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ تم اُسے پیغام بھیج دو کہ اگر وہ خیریت چاہتا ہے تو اسی وقت واپس چلا جائے ورنہ اس کا انجام اچھا نہ ہوگا۔ اس کی لاش کو چیل اور کوڑے کھائیں گے۔“

”بہت بہتر عالم پناہ۔ میں ابھی اسے پیغام بھیج دیتا ہوں۔“ سپہ سالار نے کہا۔

سپہ سالار کے جانے کے بعد بادشاہ نے اپنے وزیر کو بلوایا اور اس سے مشورہ کیا۔ وزیر نے

بھی یہی کہا کہ ہم کسی قیمت پر نیلم ہیرا ریاست فیروز کے بادشاہ کے حوالے نہیں کریں گے۔ اسی وقت سپہ سالار حاضر ہوا۔

”کہو اعظم خاں، کیا خبر لائے؟“ بادشاہ نے پوچھا۔

”حضور، لڑائی شروع ہو گئی ہے۔“ سپہ سالار نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”کیا کہا؟ لڑائی شروع ہو گئی ہے؟ اتنی جلدی؟“ بادشاہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

”جی ہاں عالم پناہ، ریاست فیروز کے بادشاہ نے آپ کا جواب ملتے ہی ہماری فوج پر حملہ کر دیا۔“

”تو چلو، ہم بھی وہیں چلتے ہیں۔“ بادشاہ نے کہا۔ اس کے ساتھ ہی وزیر بھی اُٹھ کھڑا ہوا۔

”اباجان، میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا“ شہزادہ مراد خان نے کہا۔

”نہیں بیٹا۔ تم ابھی بچے ہو۔ تم وہاں نہیں جاسکتے۔“

”اباجان، میں لڑائی دیکھنا چاہتا ہوں۔“ مُراد خاں ضد پر اڑ گیا۔ آخر جلال خاں کو ہار ماننا پڑی۔ وہ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور میدانِ جنگ کی طرف روانہ ہو گئے۔

میدانِ جنگ میں پہنچ کر بادشاہ نے شہزادہ مراد کو ایک اونچی پہاڑی پر کھڑا کیا اور اس حفاظت کے لیے سواروں کا ایک دستہ مقرر کر دیا۔ اس کے بعد وہ لڑائی میں شامل ہو گیا۔ جن دنوں کی یہ کہانی ہے اُن دنوں بادشاہ اور سپاہی سب لڑا کرتے تھے۔ یہ نہیں تھا کہ بادشاہ تو اپنے محل میں عیش کر رہے ہیں اور فوجیں لڑ رہی ہیں۔ شہزادہ مُراد لڑتی ہوئی فوجوں کو دل چسپی سے دیکھ رہا تھا۔ ہزاروں تلواریں دھوپ میں چمک رہی تھیں۔ سرکٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ زخمیوں کی چیخوں اور گھوڑوں کے ہنسنے کی آوازوں سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ اور پھر شہزادے نے دیکھا کہ ریاست فیروز کی فوج کے پاؤں اکھڑ رہے ہیں۔ راج نگر کی فوج دشمن پر طرف سے دباؤ ڈال رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے دشمن کی فوج بھاگ نکلی۔

ریاست فیروز کے بادشاہ نے اپنے محل میں پہنچ کر ہی دم لیا اور فوراً وزیر کو حاضر ہونے دیا۔ وزیر بانپتا کا نپا پہنچا۔ اس نے اس پہلے بادشاہ کو اتنے غصے میں نہیں دیکھا تھا۔ وہ گھبرا گیا اور تھر تھر کانپنے لگا۔ بادشاہ نے گرج دار آواز میں کہا۔

”جانتے ہو، ہم نے تمہیں کیوں بلایا ہے؟ ہم ہار گئے ہیں۔ ہماری فوج نے بُزدلی دکھائی ہے۔ وہ راج نگر کی فوجوں سے مات کھا گئی ہے۔ لیکن ہم ہر حال میں وہ ہیرا حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ تم کوئی ایسی ترکیب سوچو کہ ہم وہ ہیرا بغیر جنگ کے حاصل کر لیں۔ اگر تم نے کوئی ترکیب نہ بتائی تو ہم تمہیں اور تمہارے بال بچوں کو پھانسی کے تختے پر لٹکا دیں گے۔“

وزیر نے ہاتھ جوڑتے ہوئے عرض کی۔ ”عالم پناہ، مجھے کُچھ مہلت دیجیے تاکہ گھر جا کر کُچھ سوچ سکوں۔“

بادشاہ بولا۔ ”ٹھیک ہے۔ ہم تمہیں چوبیس گھنٹے کی مہلت دیتے ہیں۔“

یہ سُن کہ وزیر کی جان میں جان آئی۔ اُس نے جھک کر بادشاہ کو سلام کیا، پھر باہر نکل کر بگھی میں بیٹھا اور کوچوان کو گھر چلنے کا حکم دیا۔ اس کے چہرے پر فخر مندی کے آثار تھے۔ اس کی بیٹی یہ دیکھ کر پریشان ہوئی اور بولی۔

”کیا بات ہے ابا جان، آپ بہت پریشان دکھائی دیتے ہیں؟“

وزیر نے پیار بھری نظر بیٹی کے چہرے پر ڈالی اور تھکی تھکی آوازیں بولا۔

”کیا بتاؤں بیٹی خدا کسی بادشاہ کا وزیر نہ بنائے۔ اور اگر بنا ہی دے تو بادشاہ کا دماغ نہ خواب ہو اور اگر اُس کا دماغ خراب ہی ہو جائے تو پھر وزیر کو عقل دے کہ اس کے خراب دماغ میں کوئی بات بٹھا سکے۔“

وزیر زادی نے باپ کی یہ عجیب و غریب باتیں سنیں تو بڑی حیران ہوئی۔ کہنے لگی۔ ”آپ کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آئیں۔ آخر ہوا کیا ہے؟ بادشاہ نے کیا کہا ہے؟“

وزیر بولا۔ ”تمہیں کیا بتاؤں۔ تم میری کوئی مدد نہیں کر سکتی۔ بادشاہ نے ایک بڑا ہی ٹیڑھا کام دیا ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں! کس سے پوچھوں! کس سے مشورہ لوں!“

بیٹی نے پریشان ہو کر کہا۔ ”آپ بتائیے تو سہی، شاید میں کوئی مدد کر سکوں۔“

آخر وزیر کو ساری بات بتانی پڑی۔ وزیر زادی سوچ میں ڈوب گئی۔ وہ دونوں سوچوں میں کھولے ہوئے تھے کہ دھم کی آواز سن کر چونک اٹھے۔ کسی نے دیوار پر سے چھلانگ لگائی

تھی۔ وہ سنبھلنے بھی نہیں پائے تھے کہ ایک لمبا بڑنگا نوجوان اندر داخل ہوا۔ اسے دیکھتے ہی دونوں گھبرا گئے۔ نوجوان کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی۔ وہ غُزایا۔ ”خبردار! اپنی جگہ سے حرکت نہ کرنا۔“

وزیر نے پوچھا۔ ”کون ہو تم؟ کیا تم نہیں جانتے کہ یہ ریاست فیروز کے وزیر کا مکان ہے؟“
اس شخص نے اکڑ کر جواب دیا۔ ”اچھی طرح جانتا ہوں۔ میرا نام کبھی سُن لو۔ میں ہوں دلاور ڈاکو۔“

دلاور ڈاکو کا نام سُن کر اُن کی جان ہی نکل گئی۔ یہ بہت مشہور ڈاکو تھا اور بادشاہ نے اس کی گرفتاری پر پانچ ہزار روپے انعام مقرر کر رکھا تھا۔ وزیر نے چند منٹ کُچھ سوچا۔ پھر کہنے لگا۔ ”دلاور خاں، تمہاری موت یہاں لے آئی ہے۔ ذرا اپنے دائیں بائیں دیکھو۔ میرے سپاہی تمہیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔“

سننے ہی دلاور خاں گھبرا گیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اس کی توجہ بٹنا تھی کہ وزیر کو موقع مل گیا۔ اُس نے بجلی کی سی پھرتی سے تلوار نیام سے نکال لی اور بولا۔ ”اب میں دیکھوں گا، تم

میرے ہاتھ سے بچ کر کہاں جاتے ہو۔ میں نے کہا تھا نا کہ آج تمہاری موت تمہیں لے آئی ہے۔“

دلاور خاں نے وزیر کو تلوار سونپتے دیکھا تو ہوشیار ہو کر کھڑا ہو گیا اور بولا۔ ”تم تلوار بازی میں میرا مقابلہ نہیں کر سکو گے۔ تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ تجوری کی چابیاں میرے حوالے کر دو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اپنی ضرورت سے زیادہ دولت نہیں لے جاؤں گا۔“

وزیر اُس کی بات سُن کر مسکرایا اور تلوار اٹھا کر اس کی طرف بڑھا۔

دونوں کی تلواres آپس میں ٹکرائے لگیں۔ وزیر زادی کھڑی تھر تھر کانپ رہی تھی۔ اچانک اُس کو ایک خیال آیا۔ وہ جھپکے سے کمرے سے نکل گئی اور تھوڑی دیر بعد ہی چھ سات پہرے داروں کو لے آئی۔ اُنہوں نے دلاور خاں کو گھیرے میں لے لیا۔

دلاور خاں نے دیکھا کہ وہ پھنس چکا ہے تو اُس نے ایک چال چلی۔ کہنے لگا ”مجھے نہیں معلوم تھا کہ اِس ریاست کا وزیر اتنا بُزدل ہے کہ ایک آدمی کے مقابلے کے لیے چھ سات آدمیوں کو بلا لے گا۔ بہادری تو یہ ہوتی کہ تم تنہا میرا مقابلہ کرتے۔“

وزیر نے کہا۔ ”میں اب بھی تنہا تمہارا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہوں۔“

دلاور خان نے کہا۔ ”اگر تم نے مجھے تلوار بازی میں شکست دے دی تو میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تمہارا غلام بن جاؤں گا۔“

ایک بار پھر دونوں کی تلواریں زور و شور سے ٹکرانے لگیں۔ پہرے دار دور ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ وزیر بڑے اطمینان سے دلاور خاں کے وار روک رہا تھا۔ ابھی تک اُس نے خود کوئی حملہ نہیں کیا تھا۔ جب اُس نے دیکھا کہ دلاور خاں کے ہاتھ سُست پڑنے لگے ہیں تو اُس نے بھرپور حملہ کیا۔ دلاور خاں اس حملے کی تاب نہ لاسکا۔ تلوار اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر پڑی۔ وزیر مُسکرایا اور بولا: ”کہو دلاور خان۔ اب کیا کہتے ہو؟“ دلاور خان نے تلوار پھینک دی اور بولا۔ ”آج سے میں آپ کا غلام ہوں۔ آپ جو حکم دیں گے، بجالاؤں گا۔“

وزیر نے پہرے داروں کو باہر جانے کا اشارہ کیا اور دلاور خان سے بولا۔ ”دیکھو دلاور، اگر میرا ایک کام کر دو تو میں تمہیں اتنی دولت دے دوں گا ڈاکے ڈالنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔“

دلاور خاں خوش ہو گیا۔ اُس نے کہا ”آپ حکم کریں۔ میں ہر کام کرنے کو تیار ہوں۔“

وزیر نے اُسے بتایا کہ بادشاہ کیا چاہتا ہے ہے۔ ”میری اور میرے بچوں کی جان اسی صورت میں بچ سکتی ہے کہ تم کسی طرح وہ ہیرا لادو۔ ایک ترکیب میرے ذہن میں آگئی ہے۔ جلال خاں کا ایک بیٹا ہے۔ وہ تلوار بازی کا بہت شوقین ہے۔ تم بھیس بدل کرو ہاں جاؤ اور کسی طرح شہزادے کے استاد بن جاؤ۔ اُس کے بعد یا تو وہاں سے ہیرا اڑا لیا پھر شہزادے کو اٹھا کر لے آؤ، تاکہ بادشاہ سے اس کے بیٹے کے بدلے ہیرا طلب کیا جاسکے۔“

دلاور خان نے تھوڑی دیر سوچا، پھر کہنے لگا، ”میرا خیال ہے میں یہ کام کر سکتوں گا۔“

وزیر زادی کو اچانک کوئی خیال آیا۔ اُس نے کہا۔ ”ابا جان، یہ ایک ڈاکو ہے۔ ہو سکتا ہے جان بچانے کے لیے جھوٹ موٹ کا وعدہ کر رہا ہو۔“

دلاور خان نے وزیر زادی کی یہ بات سُنی تو ہنسا اور بولا۔ ”وزیر زادی، دلاور خان اور کچھ کر سکتا ہے، اپنے وعدے سے نہیں پھر سکتا۔“

راج نگر میں فتح کا جشن منایا جا رہا تھا۔ گھر گھر چراغاں کیا گیا تھا۔ ہر طرف آتش بازی چھوڑی جا رہی تھی۔ جلال خاں نے اپنے تمام وزیروں، درباریوں اور فوج کے اعلیٰ افسروں کی شان دار دعوت کی تھی اور محل میں ہر طرف مہمانوں کے قہقہے گونج رہے تھے۔ ایسے میں ایک پہرے دار بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا ”عالم پناہ، ایک شخص حضور سے ملنے کی اجازت چاہتا ہے۔“

بادشاہ بولا۔ ”یہ خوشی کا موقع ہے۔ جو کوئی بھی ہے اسے حاضر کرو۔ آج ہم کسی کو مایوس نہیں کریں گے۔“

تھوڑی دیر بعد دلاور ڈاکو ایک سپاہی کا بھیس بدلے ہوئے، پہرے دار کے ساتھ اندر داخل ہوا اور جھک کر بادشاہ کو سلام کیا۔ بادشاہ نے پوچھا :

”کون ہو تم اور ہم سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟“

دلاور ڈاکو نے کہا۔ ”عالم پناہ، خُدا کرے فتح ہمیشہ آپ کے قدم چومے۔ میں بہت دور دراز کی ایک ریاست سے آیا ہوں۔ نیزہ بازی، تلوار بازی اور تیر اندازی کا ماہر ہوں۔ چاہتا ہوں کہ آپ کی خدمت کر کے انعام پاؤں۔“

بادشاہ نے پوچھا۔ ”تم ہماری فوج میں بھرتی ہونا چاہتے ہو ہے؟“

دلاور خاں مُسکرایا اور کہنے لگا۔ ”عالم پناہ، میں شہزادہ مُراد کو سپہ گرمی کے فن میں ماہر بنانا چاہتا ہوں۔ آپ مجھے ان کا اُستاد مقّر کر دیں۔“

بادشاہ بولا۔ ”اچھا! یہ بات ہے۔ لیکن کیا تمہارا خیال ہے کہ ہماری ریاست میں تم سے اچھا کوئی تیر انداز یا تلوار باز نہیں ہے؟“

دلاور خان نے کہا۔ ”عالم پناہ، میں جانتا ہوں کہ آپ کی فوج میں ایک سے ایک بڑھ کر بہادر موجود ہے۔ لیکن مجھ سے زیادہ ماہر تلوار باز، نیزے باز اور تیر انداز آپ کی پوری ریاست

میں نہ ہوگا۔“

بادشاہ یہ سُن کر غصے میں آ گیا، بولا۔ ”ہم تمہارا امتحان لیں گے۔ کل صُبح تمہیں ہمارے سپاہیوں میں سے چند ایک سے مُقابلہ کرنا ہوگا۔ اگر تم جیت گئے تو ہم تمہیں شہزادے کا اتالیق مقرر کر دیں گے، ورنہ ہارنے کی صورت میں تمہیں پھانسی پر لٹکا دیا جائے گا۔“

دلاور خاں مُسکرایا۔ اسے پہلے ہی یقین تھا کہ یہی ہوگا۔ اُس نے کہا۔ ”مجھے آپ کی شرط منظور ہے، عالم پناہ۔“ بادشاہ نے پہرے دار سے کہا۔ ”یہ نوجوان ہمارا مہمان ہے۔ اس کی خوب خاطر تواضع کرو۔ صُبح اسے دربار میں پیش کیا جائے۔“

اگلی صُبح جلال خاں تخت پر رونق افروز تھا۔ تمام درباری اپنی اپنی جگہ باادب کھڑے تھے۔ ایک طرف وزیر اور سپہ سالار اپنی کرسیوں پر بیٹھے تھے کہ پہرے دار دلاور خاں کو لے کر حاضر ہوا۔ بادشاہ نے نظر اُٹھا کر دلاور کو دیکھا، پھر تمام درباریوں سے کہا۔

”راج نگر کے جاں بازو! اس نوجوان نے ہماری غیرت کو لٹکا رہا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ پوری ریاست میں اس کی ٹٹُر کا کوئی تلوار باز، نیزے باز یا تیر انداز نہیں۔ ہم دیکھنا چاہتے ہیں

کہ یہ کتنے پانی میں ہے۔ تم میں سے کون ہے جو اسے شکست دینا پسند کرے گا؟“

بادشاہ کی تقریر ختم ہوتے ہی ایک لمبا چوڑا سپاہی دلاور خان کے سامنے آکھڑا ہوا اور بولا۔

”عالم پناہ، اجازت ہو تو میں اس کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہوں۔“

”اجازت ہے۔“ بادشاہ نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

”کون سے ہتھیار سے لڑنا پسند کرو گے؟“ دلاور خان نے پوچھا۔

”دربار میں تو تلوار کا مقابلہ ہی ہو سکتا ہے۔“ جلال خان کے سپاہی نے کہا۔

دونوں کی تلواریں بجلی کی طرح کوندنے لگیں۔ دلاور خان نے ایسے ہاتھ دکھائے کہ درباری

دنگ رہ گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اُس نے اپنے حریف کومات دے دی۔ پھر ایک کے بعد

ایک تمام درباری اُس کے مقابلے پر آئے اور اُس سے ہارتے چلے گئے۔ بادشاہ حیرت

سے منہ کھولے دلاور خان کے دیکھ رہا تھا، بولا۔

”تم نے جو کہا تھا، کر دکھایا۔ میں آج سے تمہیں اپنے بیٹے کا اتالیق مقرر کرتا ہوں۔ تم

شہزادے کو سپہ گری کے سارے فن سکھاؤ۔ اس کے بدلے میں جو چاہو گے، تمہیں دیا جائے گا۔“

اُس دن سے دلاور خان شہزادہ مُراد کو تلوار بازی، نیزے بازی اور تیر اندازی سکھانے لگا۔ جب شہزادے کو تلوار چلانا آگیا تو ایک دن دلاور خان نے اُس سے کہا۔

”آج سے میں آپ کو تیر اندازی سکھاؤں گا لیکن اس کے لیے آپ کو محل سے باہر جانا پڑے گا۔“

شہزادہ مُراد نے یہ سنا تو بہت خوش ہوا۔ اُس نے کہا۔ ”بہت خوب! جہاں آپ کہیں میں چلنے کو تیار ہوں۔“

دلاور خان تو چاہتا ہی یہی تھا۔ وہ شہزادے کو لے کر محل سے باہر آیا اور بجھی میں بیٹھ کر پہاڑیوں کی طرف روانہ ہو گیا۔ بجھی کے کوچوان کو اس نے راستے میں ایک جگہ رُکنے کے لیے کہا اور پھر اُس سے بولا۔

”دو گھنٹے بعد ہمیں یہاں سے آکر لے جانا۔“

کوپچوان کے جاتے ہی دلاور خاں نے شہزادے کو پکڑ کر کندھے پر ڈال لیا۔ شہزادہ گھبرا گیا۔
”تم کیا کر رہے ہو؟“

دلاور خاں نے قہقہہ لگا کر کہا۔

”فخر نہ کرو شہزادے۔ میں تمہیں تیر اندازی سکھانے لے جا رہا ہوں۔ تیر اندازی نہیں سیکھو گے؟“ یہ کہا اور ریاست راج نگر کی حد سے باہر نکل گیا۔ یہاں پہلے سے ریاست فیروز کے جاسوس موجود تھے۔ دلاور خاں نے اُن سے کہا۔

”لو سنبھالو اسے۔ اب میں دیکھتا ہوں جلال خاں نیلم ہیرا کیسے نہیں دیتا۔“

جلال خاں کو شہزادے کے گم ہونے کی خبر ملی تو اُس کے ہوش اُڑ گئے۔ اُسی وقت سینکڑوں سپاہی پہاڑوں کی طرف دوڑائے گئے۔ ملکہ بار بار بے ہوش ہو رہی تھی۔ صُبح سے شام ہو گئی لیکن شہزادہ مراد اور اُس کے اُستاد کا کوئی پتہ نہ چلا۔ رات بھی رو دھو کر کٹی۔ دوسرے دن

صُبح بادشاہ نے ساری ریاست میں منادی کرادی کہ جو کوئی شہزادہ مُراد کو ڈھونڈ کر لائے گا، بادشاہ اُس کے وزن کے برابر ہیرے جواہرات تول کر دے گا۔ ہزاروں لوگ انعام کے لالچ میں شہزادے کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ ملکہ کئی گھنٹوں سے بے ہوش پڑی تھی۔ اسے جب بھی ہوش آتا ”مُراد، مُراد!“ کہتی اور پھر بے ہوش ہو جاتی۔ دوسرا دن بھی اسی طرح گزر گیا۔ بادشاہ کی مایوسی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اسے کسی پل چین نہ آتا۔ ملکہ کو ہوش میں لانے کے لیے طبیب بلائے گئے تھے اور وہ اسے طرح طرح کی دوائیاں سنگھارہے تھے۔ تلاش کرنے والے سپاہی منٹ منٹ کی خبر لا رہے تھے۔ تیسرے دن بادشاہ نے اعلان کیا کہ جو کوئی اس کا بیٹا اس کے حوالے کرے گا، بادشاہ اُس کو اپنی آدھی سلطنت دے دے گا۔ اس اعلان کا سننا تھا کہ ایک بار پھر لوگ اپنا اپنا کاروبار چھوڑ کر شہزادے کو تلاش کرنے لگے۔ تین دن سے بادشاہ اور ملکہ نے کھانا نہیں کھایا تھا۔ بادشاہ بے چینی کے عالم میں ٹہل رہا تھا کہ دروازہ کھلا اور ایک پھرے دار اندر داخل ہوا۔ اس نے جھک کر ادب سے سلام کیا اور پھر عرض کیا ”عالم پناہ! کوئی شخص بازیابی کی اجازت چاہتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ ایک خوش خبری لے کر آیا ہے۔“

بادشاہ نے خوش خبری کا لفظ سنا تو چونک اٹھا۔ اس کے پہرے پر اُمید کی کرن چمک اٹھی۔
اُس نے پہرے دار کو حکم دیا۔ ”فوراً اُسے حاضر کرو۔“

دلاور خاں شہزادے کو لے کر سیدھا وزیر کے گھر پہنچا۔ وزیر بادشاہ کے پاس گیا ہوا تھا۔ وزیر زادی اور وزیر بیگم موجود تھے۔ شہزادہ زار و قطار رو رہا تھا۔ وزیر زادی کو شہزادے پر ترس آ گیا۔ وہ اُس کی طرف بڑھی اور بولی۔

”نہ رو بھینا۔ ہم تمہیں جلد ہی تمہارے ماں باپ کے پاس پہنچا دیں گے۔“

وزیر کی بیوی نے بھی اُسے تسلی دی اور کھانا منگو کر اُس کے آگے رکھا مگر اُس نے کسی چیز کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔ اُس نے غصے سے کہا۔

”پہلے یہ بتاؤ مجھے اُٹھا کر کیوں لایا گیا ہے؟“

وزیر زادی نے جواب دیا۔ ”کیا بتاؤں شہزادے، ہمارا بادشاہ تمہارے باپ سے نیلم ہیرا حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اُس نے کچھ دن پہلے تمہاری ریاست پر حملہ بھی اسی وجہ سے کیا تھا

لیکن ناکام رہا۔ اب اُس نے یہ چال چلی ہے۔ وہ تمہارے بدلے نیلم ہیرا طلب کرے گا۔“

شہزادہ حیران رہ گیا۔ اُس نے پوچھا۔ ”کیا یہ ریاست فیروز ہے؟“

وزیر زادی نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ”ہاں، تم اس وقت ریاست فیروز میں ہو۔“

اُس وقت وزیر اندر داخل ہوا۔ اسے دیکھ کر دلاور خاں ادب سے کھڑا ہو گیا اور بولا۔

”شہزادہ حاضر ہے، میرے آقا!“

وزیر نے شہزادے کو دیکھا تو خوش ہو گیا۔

”بہت خوب دلاور خاں! چلو، اسے بادشاہ کے پاس لے چلتے ہیں؟“

شہزادہ مُراد یہ سُن کر گھبرایا۔ ”نہیں نہیں۔ میں وہاں نہیں جاؤں گا۔ مجھے چھوڑ دو۔“

وزیر نے کہا۔ ”فخر نہ کرو شہزادے، بادشاہ تمہیں کُچھ نہیں کہے گا۔“

مجبوراً شہزادے کو اُن کے ساتھ جانا پڑا۔ بادشاہ نے شہزادے کو دیکھا تو اُس کی خوش کا کوئی
ٹھکانا نہ رہا۔ کہنے لگا۔ ”اب میں دیکھوں گا کہ جلال خاں کس طرح نیلم ہیرا نہیں دیتا۔“

دلاور خاں نے کہا۔ ”میرا خیال ہے، ہمیں دو دن تک خاموش رہنا چاہیے۔ تیسرے دن
جلال خاں کے پاس ایلچی بھیجا جائے۔“

وزیر نے بھی کہا۔ ”ہاں، یہ ٹھیک رہے گا۔ تیسرے دن بادشاہ کی مایوسی بہت بڑھ جائے
اور وہ فوراً ہیرا ہمارے حوالے کرنے پر تیار ہو جائے گا۔“

تیسرے دن انہوں نے جلال خاں کے نام خط لکھا، ایلچی کو اچھی طرح ساری بات سمجھائی اور
اُسے روانہ کر دیا۔

اچھی، جلال خاں کے دربار میں پہنچا اور اُسے خط دے کر ادب سے کھڑا ہو گیا۔ بادشاہ نے خط کھولا اور زور زور سے پڑھنے لگا تاکہ ملکہ بھی سُن لے۔ خط میں لکھا تھا:

”جلال خاں، والی ریاست راج نگر کو معلوم ہو کہ اُس کا بیٹا اس وقت میرے قبضے میں ہے۔ وہ اُسی صورت میں واپس مل سکتا ہے جب بادشاہ اپنا نیلم ہیرا میرے حوالے کر دے۔ کل صُبح مشرقی پہاڑ پر میں شہزادے کے ساتھ موجود ہوں گا۔ بادشاہ ہیرا ہے کہ وہاں آجائے۔ یاد رہے کہ اگر کسی قسم کا دھوکا کیا گیا تو شہزادے کو قتل کر دیا جائے گا۔

دلاور خان ڈاکو

بادشاہ خط پڑھ کر بولا۔ ”ہم اپنے پیارے بیٹے کے مقابلے میں ایک نیلم ہیرا تو کیا، ہزار

ہیرے قربان کرنے کو تیار ہیں۔ ایلچی! تم دلاور ڈاکو سے کہہ دینا کہ ہم کل صبح پہاڑ پر ہیرا لے کر پہنچ جائیں گے اور کوئی دھوکا نہیں کریں گے۔“ ایلچی یہ سن کر ادب سے جھکا اور باہر نکل گیا۔

دوسرے دن صبح سویرے بادشاہ نے تجوری میں سے ہیرا نکالا اور بجھی میں بیٹھ کر پہاڑ کی طرف روانہ ہو گیا۔ پہاڑ کے پاس پہنچ کر وہ بجھی سے اُترا، کوچوان کو وہیں ٹھہرنے کا اشارہ کیا اور خود پہاڑ پر چڑھنے لگا۔ دُور دُور تک کوئی بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ کر اُس نے چاروں طرف دیکھا۔ یہاں بھی کوئی نہ تھا۔ آخر اس سے برداشت نہ ہو سکا، چلا کر بولا :

”دلاور خاں! کہاں ہو؟ میں آ گیا ہوں۔“

کوئی جواب نہ ملنے پر اُس نے یہی جملہ پھر دہرایا۔ تیسری بار کہنے پر دلاور خان ایک دم سامنے آ گیا۔ اس کے چہرے پر مُسکراہٹ تھی۔ وہ بولا۔ ”بادشاہ سلامت! ہیرا لے آئے؟“

بادشاہ نے کہا۔ ”ہاں لے آیا۔ کہاں ہے میرا بیٹا؟“

دلاور خاں نے کہا۔ ”یہیں ہے، ایک غار میں، میرے آدمیوں کی نگرانی میں۔ اگر تم نے ذرا بھی دھوکا دینے کی کوشش کی تو وہ اُسے ختم کر دیں گے۔“

بادشاہ نے چلا کر کہا۔ ”نہیں اپنے بیٹے کی زندگی خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔ مجھے نیلم ہیرا نہیں چاہیے۔ مجھے تو اپنا بیٹا چاہیے۔ دیکھ لے، میں تنہا آیا ہوں۔ بگھی کے کوہجان کو بھی نیچے پھوڑ آیا ہوں۔“

دلاور خان بولا۔ ”ٹھیک ہے۔ نیلم ہیرا میرے حوالے کر دو۔“

بادشاہ نے جواب دیا۔ ”پہلے مجھے میرا بیٹا دکھاؤ۔“

دلاور خان نے کہا۔ ”آؤ میرے ساتھ۔“

دلاور، بادشاہ کو لے کر ایک غار میں پہنچا۔ غار کافی بڑا تھا۔ یہاں شہزادہ مراد پندرہ بیس آدمیوں کے گھیرے میں بیٹھا تھا اور ننگی تلواریں اُس کی طرف تنی ہوئی تھیں۔

بادشاہ نے جلدی سے ہیرا اپنی جیب سے نکالا اور دلاور خان کو دے دیا۔ ہیرے کی تیز نیلی

شعاعوں سے غار جگ جگ مگ مگ کرنے لگا۔ دلاور خاں نے ہیرا لے کر اپنے آدمیوں سے کہا، ”شہزادے کو چھوڑ دو!“

باپ بیٹا دونوں ایک دوسرے سے چمٹ گئے اور زور زور سے رونے لگے۔

بجھی میں بیٹھنے کے بعد شہزادہ مُراد نے کہا۔ ”ابا حضور، آپ کو معلوم ہے مجھے کس کے کہنے پر اُٹھایا گیا تھا؟“

بادشاہ نے کہا۔ ”بیٹا، تمہیں دلاور ڈاکو اُٹھا کر لے گیا تھا۔“

شہزادے نے کہا۔ ”مجھے اُٹھا کر تو دلاور ڈاکو ہی لے گیا تھا لیکن اُٹھوایا ریاست فیروز کے بادشاہ نے تھا۔ دلاور ڈاکو میرا اُسے ہی لے جا کر دے گا۔“

بادشاہ یہ سُن کر غصے میں آ گیا۔ ”تو یہ ریاست فیروز کے بادشاہ کی حرکت ہے! میں اُس کی سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔“

غصے کی آگ میں پھنکتا ہوا جلال خاں اپنے محل میں پہنچا۔ آناً فاناً شہزادے کی واپسی کی خبر

ساری ریاست میں پھیل گئی۔ لوگ بادشاہ کو مبارک باد دینے کے لیے آئے لیکن یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ بادشاہ غصے میں بھرا بیٹھا ہے۔ وزیر نے حیران ہو کر پوچھا۔ ”عالم پناہ! آپ کو تو خوش ہونا چاہیے۔ شہزادے صاحب مل گئے ہیں۔“ بادشاہ نے وزیر کو اصل بات بتائی تو وہ بھی غصے سے آگ بگولا ہو گیا۔ اُس نے بادشاہ سے کہا کہ اسی وقت ریاست فیروز پر چڑھائی کر دی جائے۔ بادشاہ نے گرج دار آواز میں کہا۔ ”فوجوں کو تیاری کا حکم دو۔ ہم آج ہی ریاست فیروز پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ ہم یہ کسی طرح بھی برداشت نہیں کر سکتے کہ نیلم ہیرا ریاست فیروز کے بادشاہ کے پاس رہے۔“

فوجوں کو کوچ کا حکم دے دیا گیا۔ بادشاہ اپنے جنگی گھوڑے پر سوار ہوا۔ شہزادہ بھی ضد کر کے اس کے ساتھ ہو لیا۔ بادشاہ کا گھوڑا سارے لشکر سے آگے تھا۔ پوری فوج غصے کے عالم میں تھی۔ گھوڑے تیزی سے دوڑ رہے تھے۔ گرد و غبار اڑ رہا تھا۔ لمحہ بہ لمحہ وہ ریاست فیروز کی سرحد کے نزدیک ہوتے جا رہے تھے۔

دلاور خان پہلے وزیر کے گھر پہنچا اور نیلم ہیرا اُس کو پیش کیا۔ وزیر کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ اُس نے کہا کمال ہے! میں نے آج تک اتنا بڑا ہیرا نہیں دیکھا۔ ہمیں یہ اسی وقت بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دینا چاہیے۔“

وزیر اور دلاور اُسی وقت بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بادشاہ نے ہیرا دیکھا تو پاگلوں کی طرح اُچھلنے کودنے لگا۔ ”اب ہم تمام بادشاہوں سے زیادہ دولت مند ہیں۔ کوئی بادشاہ دولت مندی میں ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتا۔“

وزیر نے کہا۔ ”لیکن حضور، اب ہمیں اپنی سرحدوں کی حفاظت کے لیے ہر وقت چوکنڈا رہنا پڑے گا، کیونکہ دوسرے بادشاہ یہ ہیرا حاصل کرنے کے لیے ہماری ریاست پر چڑھائی کریں گے۔“

یہ سُن کر بادشاہ فخر مند ہو گیا۔ پھر کچھ دیر بعد اُس نے کہا۔ ”ہم کسی کو بتائیں گے ہی نہیں کہ ہیرا ہمارے پاس ہے۔“

وزیر نے کہا۔ ”لیکن عالم پناہ، جلال خاں کو معلوم ہو چکا ہے۔ میری نادان بیٹی نے یہ بات شہزادہ مُراد کو بتادی تھی۔“

بادشاہ سوچ میں ڈوب گیا پھر بولا۔ ”خیر دیکھا جائے گا۔ اب ہم یہ ہیرا کسی صورت اپنے سے جدا نہیں کریں گے۔“

اسی وقت سپہ سالار اندر داخل ہوا۔ وہ گھبرا یا ہوا تھا۔ اُس نے آتے ہی کہا۔ ”عالم پناہ! راج نگر کا لشکر ہماری سرحدوں کی طرف بڑھ رہا ہے۔ ہمارے جاسوسوں نے اطلاع دی ہے کہ وہ دو تین گھنٹے تک یہاں پہنچ جائے گا۔“

بادشاہ نے حیران ہو کر کہا۔ ”یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟“

سپہ سالار نے جواب دیا۔ ”اگر ہم نے دیر کی تو وہ ہم پر بھوکے کُتوں کی طرح ٹوٹ پڑیں

گے۔“

بادشاہ نے کہا۔ ”تم فوجوں کو لے کر چلو۔ ہم بھی پہنچ رہے ہیں۔ دلاور خاں، کیا تم بھی ہمارے ساتھ چلو گے؟“

دلاور خاں نے کہا۔ ”میں تو وزیر صاحب کا غلام ہوں۔ جو یہ کہیں گے، کروں گا۔“

وزیر نے کہا۔ ”میں تمہیں وعدے کے مطابق آزاد کر چکا ہوں۔“

دلاور نے کہا۔ ”میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا۔“

جلد ہی سارے شہر میں جلال خاں کی فوجوں کی آمد کی خبر پھیل گئی۔ لوگ ڈر گئے۔ وہ جانتے تھے کہ جلال خان کی فوجیں بہت طاقتور ہیں۔“

شہر سے باہر دونوں فوجیں آمنے سامنے کھڑی ہوئیں۔ شہزادہ مراد کو ایک اونچی پہاڑی پر کھڑا کر دیا گیا تھا۔ دوسری طرف ریاست فیروز کا وزیر بھی اپنی بیٹی کو لے کر آیا تھا۔ بادشاہ نے ایک ایلچی جلال خاں کے پاس بھیجا۔ ایلچی نے جا کر جلال خاں سے کہا۔ ”ہمارے بادشاہ

سلامت یہ جاننے کے خواہش مند ہیں کہ آپ کیوں بے گناہ لوگوں کو ہلاک کروانا چاہتے ہیں؟“

یہ سُن کر جلال خاں کو جلال آ گیا۔ وہ بولا۔ ”اپنے بادشاہ سے کہو، اُس نے دھوکے سے جو نیلم ہیرا حاصل کیا ہے اُسے واپس کر دے، ورنہ اُس کے ایک ایک سپاہی کو چُن چُن کر ہلاک کر دیا جائے گا۔ کیا اُس نے راج نگر کے سپاہیوں کو بے غیرت سمجھ لیا ہے؟ ہم اپنی جان پر کھیل جائیں گے اور ہیرا حاصل کر کے رہیں گے۔“

تھوڑی دیر بعد جلال خاں نے اپنی فوجوں کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ اچانک شہزادے کی نظر وزیرزادی پر پڑی۔ وہ زور سے چلایا۔ ”اباجان، ٹھہریے! میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔“

بادشاہ نے مُڑ کر بیٹے کو دیکھا اور پوچھا۔ ”کیا بات ہے؟“

شہزادے نے کہا۔ ”اباجان، آپ نے مجھے حاصل کرنے کے لیے ہیرا دشمن کو دے دیا تھا۔ آپ کے نزدیک میری زندگی کی قیمت اُس ہیرے سے زیادہ تھی۔ کیا بات ٹھیک نہیں ہے؟“ بادشاہ نے جواب دیا۔ ”ٹھیک ہے۔ میں تُم پر ہزاروں ہیرے نثار کر سکتا ہوں۔“

شہزادے نے کہا۔ ”اباجان، خیال فرمائیے۔ جنگ میں ہزاروں لوگ مریں گے۔ کیا مرنے والے کسی کے بیٹے نہیں ہوں گے؟ کیا وہ اُن کی یاد میں ساری عمر نہیں روئیں گے، جس طرح آپ تین دن میرے لیے روتے رہے؟ پھر اب آپ کیوں ہزاروں لوگوں کا خون کرانے پر تئلے ہوئے ہیں؟ میں کہتا ہوں، جنگ سے باز آ جائیے۔ ہم ایسے ہیرے کو کیا کریں گے جو خونی ہے اور جس کی وجہ سے اس وقت تک ہزاروں لوگ قتل ہو چکے ہیں۔“

ہر طرف سناٹا چھا گیا۔ ہر کسی نے محسوس کیا کہ شہزادے نے بہت عقل مندی کی بات ہے۔ یہ بات بڑے بڑے عقل مندوں نے بھی نہ سوچی ہوگی۔ بادشاہ بھی سوچ میں ڈوب گیا۔ کافی دیر بعد اُس نے سر اوپر اٹھایا اور بولا۔ ”ہمارا بیٹا ٹھیک کہتا ہے۔ ہم اس ہیرے پر لعنت بھیجتے ہیں جس کی وجہ سے ہزاروں لوگ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔ بہادر سپاہیو! اپنے گھوڑوں کی باگیں کھینچ لو۔ ہم واپس چلیں گے۔“

بادشاہ کا یہ کہنا تھا کہ ہر طرف خوشی کی لہر دوڑ گئی اور راج نگر کے فوجی نعرے لگانے لگے۔ ”بادشاہ سلامت زندہ باد! راج نگر زندہ باد!“ اس کے بعد گھوڑوں کے رُخ موڑ دیے گئے۔ راج نگر کی فوج ہیرا واپس حاصل لیے بغیر جا رہی تھی۔

ریاست فیروز کی فوج گم صُم کھڑی تھی۔ تمام لوگوں کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔ اُن کے وہم و گمان میں تھی نہ تھا کہ یہ جنگ اس طرح ٹل جائے گی! اچانک بادشاہ کے دماغ میں ایک خیال آیا۔ اُس نے اپنے وزیر سے کہا۔ ”موقع اچھا ہے۔ اگر ہم اس حالت میں راج نگر کی فوج پر حملہ کر دیں تو فتح یقینی ہے۔“

وزیر نے حیران ہو کر بادشاہ کو دیکھا اور کہا۔ ”لیکن حضور یہ سراسر دھوکا ہے۔ فریب ہے۔“
 بادشاہ نے وزیر کو نفرت سے دیکھا اور بولا۔ ”تم بُزدل ہو۔ سپہ سالار! تم کیا کہتے ہو؟ میں راج نگر کی فوج پر حملہ کرنا چاہتا ہوں۔“

سپہ سالار نے جواب دیا۔ ”آپ بہت دانا ہیں، میرے آقا۔ ایسی حالت میں اگر ہم نے حملہ کر دیا تو راج نگر کی فوجوں کے پاؤں اُکھڑ جائیں گے اور پھر راج نگر پر بھی ہماری حکومت ہو گی۔“

بادشاہ سپہ سالار کی یہ بات سُن کر خوش ہو گیا اور بولا۔ ”شاباش، بہادر سپہ سالار! مجھے تُم سے یہی اُمید تھی۔“ یہ پھر اُس نے اپنی فوج سے کہا۔ ”بہادرو! تمہیں ایک سنہری موقع ملا ہے۔ ٹوٹ پڑو دشمن پر۔ اُسے سنبھلنے کا موقع نہ دو۔“

بادشاہ کا یہ کہنا تھا کہ ریاست فیروز کی فوج راج نگر کی واپس جاتی ہوئی فوج پر ٹوٹ پڑی۔ راج نگر کی فوج اس حملے سے بے خبر تھی۔ وہ گھبرا گئی اور پہلے ہی حملے میں اُس کے سیدھکڑوں سپاہی مارے گئے۔ جلال خاں نے مُڑ کر دیکھا تو فوج کے پچھلے حصے میں بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔ وہ رُک گیا اور اس نے اپنی فوج کو لپٹ کر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ بس پھر کیا تھا۔ دونوں فوجوں میں خون ریز لڑائی ہونے لگی۔ ہزاروں تلواریں فضا میں بلند ہوئیں، ڈوبیں اور خون میں سُرخ ہو کر پھر بلند ہوئیں۔ سر اور دھڑکٹ کٹ کر گرنے لگے۔ چیخ و پکار سے قیامت کا سماں پیدا ہو گیا۔ صرف ایک آدمی ایسا تھا جو لڑائی میں حصہ نہیں لے رہا تھا۔ وہ ریاست فیروز کا وزیر تھا۔ وہ اپنی بیٹی کو ایک پہاڑی پر لیے کھڑا تھا اور اس جنگ کے خلاف تھا۔ جلال خاں کی فوج نے پلٹ کر اس زور سے جوابی حملہ کیا کہ ریاست فیروز کی فوج گھبرا گئی اور آخر اُس کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ بھاگ کھڑی ہوئی۔ جلال خاں نے تلوار نیام میں ڈال لی اور واپس جانے کے

لیے مڑا ہی تھا کہ ایک شخص گھوڑا دوڑاتا ہوا اُس کے پاس آیا۔ اُس کے پیچھے ایک لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔ اُس نے کہا۔ ”بہادر بادشاہ، میں اپنے بزدل اور دھوکے باز بادشاہ کا وزیر بننے سے یہ بہتر سمجھتا ہوں کہ آپ کی فوج میں ایک معمولی سپاہی کی زندگی گزاریں۔ اب میں ریاست فیروز میں نہیں رہ سکتا۔ کیا آپ مجھے اجازت دیں گے کہ میں آپ کی فوج میں شامل ہو جاؤں؟“

جلال خان نے پوچھا۔ ”تم فیروز کے وزیر ہو؟“

وزیر نے جواب دیا۔ ”جی ہاں، میں ہی اُس بزدل بادشاہ کا وزیر ہوں۔“

جلال خان نے مسکرا کر کہا۔ ”تم ایک معمولی سپاہی نہیں بلکہ وزیر کی حیثیت سے ہمارے ہاں رہو گے۔ تمہارے بیوی بچے کہاں ہیں؟“

وزیر نے لڑکی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”عالم پناہ! میری ایک ہی بچی ہے۔ اُسے میں ساتھ لے آیا تھا۔ موقع ملتے ہی اس کی والدہ کو بھی بلا لوں گا۔“

شہزادہ مُراد نے بادشاہ کو وزیر زادی کے متعلق بتایا کہ کیسے اُس نے اِس کے ساتھ ہمدردی کا برتاؤ کیا تھا۔ بادشاہ یہ سُن کر بہت خوش ہوا اور وزیر زادی کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہنے لگا۔ ”ہمارے کوئی بیٹا نہیں تھی۔ آج وہ بھی ہمیں مل گئی۔“

راستے میں وہ ایک دریا کے پاس سے گزرے۔ اُس جگہ فوج نے پڑاؤ کیا۔ شہزادہ مُراد وزیر زادی کے ساتھ دریا کے کنارے جا بیٹھا۔ وزیر زادی کُچھ سوچ رہی تھی۔ شہزادے نے کہا۔
 ”کیا سوچ رہی ہو؟“

سوچ رہی ہوں کہ ایک ہیرے کی خاطر کتنے قتل ہو چکے ہیں۔ کتنا خونِ ہیرا ہے یہ۔ اور نہ جانے کتنے لوگوں کا خون اس کی خاطر ہو گا۔ دیکھیے نا۔ باپ کے بعد آپ اپنی ریاست کے بادشاہ بنیں گے۔ تب یہ ہیرا آپ کے قبضے میں آ جائے گا۔ پھر دوسرے بادشاہ اسے حاصل کرنے کے لیے آپ پر حملہ کریں گے اور اس طرح مار دھاڑ کا یہ بازار ہمیشہ گرم رہے گا۔“

شہزادے نے کہا۔ ”پھر ہمیں کیا کرنا چاہیے؟“

وزیرِ زادی نے جواب دیا۔ ”میں کہتی ہوں ایسی چیز پاس رکھی ہی کیوں جائے۔“

شہزادے نے کہا۔ ”بڑا ہو کر میں تمہیں اپنی ملکہ بناؤں گا۔ تمہارے لیے ایک تاج بناؤں گا۔ تاج میں اس ہیرے کو جڑواؤں گا۔ وہ تاج تمہارے سر پر رکھا جائے گا تو تم کتنی اچھی لگو گی!“

وزیرِ زادی یہ سُن کر ذرا بھی خوش نہ ہوئی۔ اُس نے کہا۔ ”اور پھر کوئی بادشاہ راج نگر پر حملہ کرے گا۔ ہو سکتا ہے اس ہیرے کے ساتھ ساتھ وہ مجھے بھی اٹھا لے جائے۔ کیا یہ پسند کرو گے؟“

”ہرگز نہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔“ شہزادے نے غصے سے کہا۔

”تو پھر اس کی ایک ہی صورت ہے۔“ وزیرِ زادی نے کہا۔

”وہ کیا؟“ شہزادے نے پوچھا۔

”اس ہیرے سے ہمیشہ کے لیے چھٹکارا پالینا چاہیے۔“ وزیرِ زادی بولی۔

”وہ کیسے؟“ شہزادے نے پوچھا۔

”اسے دریا میں پھینک دیجئے۔“

شہزادہ سوچ میں ڈوب گیا۔ آخر اُس نے سر اٹھایا اور بولا۔ ”تم ٹھیک کہتی ہو۔ اپنی خونی چیز کو پاس رکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے، جس وجہ سے ہزاروں لوگ قتل ہو چکے ہیں اور جانے کتنے اور قتل ہوں گے۔“

”تو پھر آپ نے کیا سوچا ہے؟“

”ابھی چل کر ابا جان سے بات کرتے ہیں۔“

دونوں اٹھ کھڑے ہوئے اور بادشاہ کے پاس آئے۔

جلال خاں اپنے خیمے میں بیٹھا نیلم ہیرے سے کھیل رہا تھا۔ وہ بار بار اسے اچھالتا اور پھر دبوچ لیتا۔ تمام وزیر اور امیر ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔

بادشاہ نے خوش ہو کر کہا۔ ”جانتے ہو، ہم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟ ہم اس ہیرے اپنے تاج میں لگوائیں گے۔ ہمارے بعد یہ تاج ہمارے بیٹے کے سر پر رکھا جائے گا۔“

اُسی وقت شہزادہ مراد، وزیر زادی کے ہمراہ خیمے میں داخل ہوا۔ بادشاہ نے ان دونوں کو اپنے پاس بٹھاتے ہوئے کہا۔ ”بیٹا، ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ اس ہیرے کو تاج میں لگوائیں۔ ہمارے بعد یہ تاج تمہارے سر کی زینت بنے گا۔“

یہ سن کر تھوڑی دیر کے لیے شہزادہ سوچ میں پڑ گیا۔ پھر بولا۔ ”ابا جان! میں نے تو کچھ اور ہی سوچا ہے۔“

بادشاہ نے حیران ہو کر کہا۔ ”تم نے کیا سوچا ہے، بیٹا؟“

شہزادے نے کہا۔ ”ابا جان، ایک بات مانے۔ آپ کو دونوں میں سے کون زیادہ عزیز ہے؟ نیلم ہیر یا میں؟“

بادشاہ نے کہا۔ ”یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟“ سب جانتے ہیں کہ ہمیں تم دُنیا کی ہر چیز سے زیادہ عزیز ہو۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہم دلاور ڈاکو کو کبھی تمہارے بدلے یہ ہیرانہ دیتے۔“

شہزادے نے کہا۔ ”ابا جان، اِس ہیرے کی وجہ سے آج تک نہ جانے کتنے لوگ قتل ہو چکے ہیں اور ابھی نہ جانے کتنے اور قتل ہوں۔ ہو سکتا ہے کسی دن آپ کا بیٹا بھی کسی کے ہاتھوں مارا جائے۔“

بادشاہ نے کہا۔ ”آخر تم چاہتے کیا ہو؟“

شہزادے نے کہا۔ ”ابا جان، میں چاہتا ہوں کہ اِس خُونی ہیرے کو دریا میں پھینک دیا جائے۔“

بادشاہ نے اپنے وزیروں سے پوچھا۔ ”آپ کی کیا رائے ہے؟“

وزیر زادی کے باپ نے جواب دیا۔ ”میرا خیال ہے، شہزادے صاحب ٹھیک کہہ رہے ہیں۔“

دوسرے وزیر نے کہا۔ ”میرا بھی یہی خیال ہے، حضور!“

بادشاہ نے کہا۔ ”اچھا، اگر سب کی یہی رائے ہے تو ہم اسے دریا میں پھینک دیتے ہیں؟“

یہ کہہ کر بادشاہ باہر نکلا۔ آناً فاناً سارے لشکر میں یہ خبر پھیل گئی کہ بادشاہ ہیرے کو دریا میں پھینکنے جا رہا ہے۔ سارا لشکر دریا کے کنارے پر آکھڑا ہوا۔

بادشاہ نے سپاہیوں سے کہا۔ ”اس ہیرے کی خاطر ہزاروں سپاہی موت کے گھاٹ اُتر گئے۔ آج ہم اسے موت کے گھاٹ اتار رہے ہیں تاکہ آج کے بعد کوئی بادشاہ کسی بادشاہ پر یہ ہیرا حاصل کرنے کے لیے چڑھائی نہ کرے اور ہزاروں بے گناہ لوگ نہ مارے جائیں۔“

بادشاہ نے ہیرے کو ہاتھ میں تولی، اُسے آخری بار دیکھا اور پھر پوری قوت سے دریا میں

پھینک دیا۔ اس کے بعد بادشاہ نے شہزادے اور وزیر زادی کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔
 ”ہمارے ہمیرے تو دراصل تُم ہو۔“ اس کے بعد لشکر ہنسی خوشی راج نگر کی طرف روانہ ہوا۔
 جب شہزادہ اور وزیر زادی جوان ہوئے تو بادشاہ نے اُن کی شادی کر دی اور شہزادے کو
 تخت پر بٹھا کر خُود اللہ اللہ کرنے لگا۔

ختم شد

بچوں کا سب سے اچھا اور سب سے زیادہ چھپنے والا رسالہ

تعلیم و تربیت

جسے ہر مہینے لاکھوں بچے پڑھتے ہیں

* دل چسپ کہانیاں * مزیدار نظمیں * آسان سائنسی
اور معلوماتی مضمون * ہنسنا ہنسا کر لوٹ پوٹ کر دینے والے
لطیفے اور کارٹون * خوب صورت رنگین تصویریں *



ماہانہ تعلیم و تربیت

60 شارع قائد اعظم

لاہور